© rasailojaraid.com

اسلام کا نظریہ تعلیم ۔ مقصد و منہاج

محمد طفیل

نوروظلمت اور نیکی بدی ایسی لازوال قوتیں ھیں ۔ جو ھمیشہ باھم دگر ستیزہ کار رھتی ھیں ۔ انسان جب عقلی و شعوری ارتقاء کی منازل طے کرنے کا آغاز کرتا ہے ۔ تو وہ بھی انھیں قوتوں سے دو چار اور نبرد آزما ھوتا ہے ۔ اور یہیں سے انسان کو بعض ضروریات اور احتیاجات کا احساس ھوتا ہے کہ اگر اسے زندگی کی زندہ و جاوید حقیقتوں اور لازوال قوتوں سے آگہی حاصل کرنا ہے اور اچھے برے ، کھرے کھوٹے کی تمیز کرنا ہے تو اس کے پاس ایک کسوٹی اور معیار ھونا چاھیئے جس کے ذریعے وہ یہ پرکھ سکے کہ کونسی حقیقت اس کے لئے منفعت بخش ہے اور کونسی مضرت رساں ۔ ھماری رائے میں یہ آلۂ تمیز اور یہ کسوٹی یا معیار علم ھی قرار پا سکتا ہے ۔ علم کے ذریعے ھی انسان کو جملہ مخلوقات پر برتری حاصل ہے ۔ علم ھی سے انسان کو اپنی اور پھر خالق کائنات کی پہچان حاصل ھوتی ہے اور علم کے بل بوتے پر ھی انسان تسخیر کائنات جیسے اھم کام پر مصروف عمل ہے ۔ اگر جملہ انسانوں کے ذھن اور شعور سے علم کی مشعل بے نور ھو جائے تو ایک جانب انسان اپنے اشرف المخلوقات کے درجے سے محروم ھو جائے گا ، اور دوسری طرف تسخیر کائنات اور اس کے ذریعے سے معرفت الٰھی کا سارا عمل رک کر ختم ھو جائے گا ۔ اور انسان جانوروں اور وحشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیوانوں کی طرح اپنے مقصد سے بے خبر ، جنگلوں اور بیابانوں میں مارا مارا پھرے گا ۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ یہ علم ، جو ہمارے لئے اس قدر اہم اور موت اور زندگی کی حیثیت رکھتا ہے ، یہ کیا چیز ہے ؟ لفظ علم ۔ ع ۔ ل ۔ م (۱) کا مرکب ایک سہ حرفی لفظ ہے ، جس کا سادہ سا معنی ،،معرفۃ الاشیاء بحقائقھا ،، اشیاء کو ان کی حقیقت سے پہچاننا ہے اسی کو جدید اصطلاحات میں —LITERACY یا SCIENCE KNOWLEDGE وغیرہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ۔ پھر اسی لفظ میں حروف کے اضافے سے تعلیم ، معلم اور متعلم جیسے الفاظ معرض وجود میں آئے عربی زبان کے اس کلیے کے بموجب کہ حروف کا اضافہ معنی کے اضافے پر دلالت کرتا ہے (۲) لفظ تعلیم میں لفظ علم سے زیادہ معانی موجود ہیں ۔ علم معرفت اشیاء کو محیط ہے جو خود بخود بھی حاصل ہو سکتی ہے اور کسی ذریعے سے بھی ، لیکن اس کے برعکس تعلیم یعنی علم کی روشنی کو دوسروں تک پہنچانا یہ عام حالتوں میں خود بخود نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ اس کے لئے بہت سے خارجی عوامل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہیں سے نظام تعلیم (EDUCATIONAL SYSTEM) معرض وجود میں آتا ہے ۔ جو موجودہ دور میں اس قدر وسعت پذیر ہے کہ اس نظام کی سینکڑوں شاخیں ہیں اور پھر ہر شاخ کے اپنے مسائل و موضوعات ہیں اور اس وقت دنیا کا رجحان چونکہ خاص مہارت (SPECIALIZATION) کی طرف نہایت سرعت سے بڑھ رہا ہے ۔ اس لئے ہر شاخ بلکہ اس کے ہر جزو اور ہر ہر مسئلہ کے ماہرین پیدا ہو رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ترقی یافتہ اور ترقی پذیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قومیں اپنی قومی آمدنی ، توانائی ، قوت اور عملی وقت کا بیشتر حصہ تعلیم پر صرف کر رہی ہیں اور ابن خلدون (۷۳۲ـ ۸۰۸ ھ) کے اس نظریے کو اب تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ علم کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ ساری انسانیت کی مشترکہ دولت ہے (۳) ۔ اور کسی بھی انسان کو علم کی دولت سے محض اس لئے محروم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ خدا نخواستہ کسی خاص نسل ،قوم یا علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ سوال کہ تعلیم کا آغاز کب ہوا ؟ ایک مسلمان کے لئے اس کا جواب پیش کرنا چنداں مشکل نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم ہماری اس طرف واضح رہنمائی کرتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت سے ہی تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔ چنانچہ قصہ آدم علیہ السلام میں آدمیت کی فضیلت علم سے ہی ثابت ہوتی ہے اور ارشاد الہی ہے

«علم آدم الاسماء کلھا »(۴) ہم نے آدم کو تمام علوم سکھا دیئے۔ اس لئے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی علم اور تعلیم کے دروازے اس پر کھول دیئے گئے۔ تاہم یہ امر کہ دنیا میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیسے ہوا ؟ اگرچہ کافی توجہ طلب ہے اور اس میں بہت سی آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک جدید عرب ماہر تعلیم کا کہنا ہے ۔ « من العصب حقاً ان نقول ، علی وجد التحدید ، متی بدء التعلیم نفسہ ، فالتعلیم قدیم قدم الحیاۃ ذاتھا (۵) (یہ بہت ہی مشکل ہے کہ ہم نشان دہی کر سکیں کہ تعلیم کا عملی طور پر آغاز کب ہوا۔ تعلیم اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ زندگی قدیم ہے) ــــــــ یہی وجہ ہے کہ تعلیم کی ابتداء اسی وقت ہو گئی تھی جب حجری دور کے انسان نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کر لی تھی کیونکہ شروع میں یہ عمل ایک انسان سے سرزد ہوا ہو گا اور پھر اس سے یہ عمل دیگر انسانوں نےسیکھ لیا ہوگا ۔ تو اسطرح سے تعلیم کا آغاز ہو گیا ۔ اسکے بعد معلوم تاریخ میں یونانیوں، رومیوں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے دور میں تعلیم پر خصوصی توجہ دی ۔ اس کے مقاصد و منہاج بھی متعین کرنے کی کوشش کی ۔ گویا جب اسلام اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا تو تعلیم ایک نظام کی حیثیت سے موجود تھی ۔ اگرچہ اس میں مقصدی اور فکری طور پر بہت سی کجیاں پائی جاتی تھیں ۔ جن کا انسداد اسلام نے کیا ، جس کا ذکر ہم ذرا آگے چل کر تفصیل سے کریں گے ۔

اسلام کےظہور کے ساتھ تعلیم و تعلم نہ صرف جاری رہا ۔ بلکہ اس میں بے پناہ وسعت ہوئی چنانچہ پہلی وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ۔ اس کے الفاظ پر غور کیا جائے " اقراء باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من علق . اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم . (٦) (اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگی والے پروردگار کے نام سے پڑھیئے جس نے قلم کےذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔ ان آیات کریمہ سے درج ذیل امور واضح ہوتے ھیں ۔

الف) خداوند قدوس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا ہے جس کا واضح منشاء یہ معلوم ھوتا ھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے امت محمدیہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ پڑھنے اور پھر پڑھانے کے عمل کو ھمیشہ جاری رکھے ۔ ویسے بھی نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ھم پر لازم ہے کہ ھم پڑھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ور پڑھائیں ۔

ب) "الـذی علـم بالـقلـم " کی آیت واضح کرتی ہے کہ اس پڑھنے سے صرف زبانی پڑھنا یا کسی نا معلوم چیز کو صرف حافظے کی مدد سے یاد یا محفوظ کرنا مقصود نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ حاصل کردہ معلومات کو حیطہ تحریر میں بھی لایا جائے کیونکہ قلم بذات خود تحریر کی علامت (Symbol) ہے ۔

ج) "علم الانسان مالم یعلم " والی آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو جملہ علوم و فنون کی تعلیم دی ہے کیونکہ اس آیت میں ما استغراقیہ ہے جو جملہ قسم کے علوم و فنون کو اپنے احاطہ میں شامل کئے ہوئے ہے ۔ جس کی تائید دوسری آیت " وعلمک مالم تکن تعلم (۷) (اے نبی تیرے پروردگار نے تجھے وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے)۔ سے بھی ہوتی ہے ۔ پھر قرآن حکیم نے حصول علم کی دعوت عام دیتے ہوئے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو جہالت کی گہرائیوں اور اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۸)کہ جب چیزوں کا علم نہ ہو تو اس کے حصول کے لئے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاھیئے ۔ اس جگہ " اہل علم " کا لفظ بہت ھی وسیع مفہوم کا حامل ہے ۔ ایک تو اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ کسی بھی طرح کا علم رکھنے والا انسان اہل علم ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ علم اور اہل علم کے الفاظ ہر طرح کے علم کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں ۔ اور ایک لطیف اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ اگرچہ مسلمان کو اپنے عقیدے اور عمل کی وجہ سے غیر مسلم پر فضیلت ، برتری اور فوقیت حاصل ہے ۔ تاہم علم کے حصول میں مسلمان غیر مسلموں کی طرف بھی رجوع کر سکتا ہے ۔ اس کی تائید حضور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے ،، الحکمہ ضالۃ المومن فھو لھا ابن وجدھا (۹) (ترجمہ ۔ علم مسلمان کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے ملے اسے حاصل کر لے) ۔ ایک اور مشہور مقولہ جس میں حصول علم کی ترغیب ہے ۔ اطلبو العلم ولو کان بالصین (ترجمہ علم حاصل کرو اگرچہ تمہیں چین ہی جانا پڑے) ۔ اسی طرح ختم المرسلین ﷺ نے علم کی تحصیل پر زور دیتے ہوئے ، مسلمان کو ہمیشہ طالب علم رہنے کی تاکید فرمائی ۔ ،، اطلبو العلم من المھد الی اللحد (۱۰) ۔ (ماں کی گود سے قبر کی لحد تک علم حاصل کرو) قرآن حکیم میں جو دعائیں مذکور ہیں ان میں ایک کے الفاظ ہیں ،، رب زدنی علما ،، (۱۱) (اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر دے) اگرچہ آپ کی ذات کو اللہ تعالی نے علم کی دولت سے اس قدر مالا مال کر رکھا تھا کہ آپ جہل سے بالا تر تھے ۔

لیکن پھر بھی آپ کو علم سے اس قدر شغف اور تعلق خاطر تھا کہ آپ اپنے مالک حقیقی سے علم میں اضافے کی خواہش کا اظہار کرتے تھے اس آیت سے جو درس ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی ساری زندگی حصول علم میں صرف کرنی چاہیئے اور کسی وقت بھی ہمارے ذہن میں یہ خیال نہیں پیدا ہونا چاہیئے کہ ہم بہت بڑے عالم فاضل ہیں ۔ یا ہم سے بڑا کوئی اہل علم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے وفوق کل ذی علم علیم (۱۲) (ہر صاحب علم سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے) ۔

اسلام نے علم کی ترغیب دیتے وقت اپنے مقصد اعلی ، فلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخرت اور ثمرہ آخرت کو بھی پیش نظر رکھا ہے اس سلسلے میں قرآن ہماری ان الفاظ میں رہنمائی کرتا ہے کہ یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (۱۳) (اللہ تعالی تم میں سے ایمان والوں کے درجات بلند کرتا ہے اور صاحب علم افراد کے درجات بلند ہوتے ہیں) اللہ تعالی ایمان اور اہل علم کے درجات بلند فرماتے ہیں) ۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں ۔ العلماء فوق المؤمنین مائۃ درجۃ مابین الدرجتین مائۃ عام (۱۴) اہل علم کو عام مسلمانوں پر سو درجے فوقیت حاصل ہے جبکہ ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان سو سال کی مسافت ہے) ۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا " العلماء ورثۃ الانبیاء (۱۵) (علماء انبیاء کے وارث ہیں) ۔

ایک مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے " وما یعقلها الا العالمون (۱٦) (بعض امور کو عالم لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں)۔ چنانچہ دین کی سمجھ بھی ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی ۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے " من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین (۱۷) (اللہ تعالی جب کسی انسان سے بھلائی کا کام لینا چاہتے ہیں تو دین کی سمجھ اور سوجھ بوجھ عطا فرما دیتے ہیں) ۔ اس لئے اسلام کی نظر میں وہ لوگ نہایت بلند درجات کے حامل ہیں جو دین اور علم دین کو سمجھنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرتے ہیں ۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام نے تعلیم و تعلم کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ اس نے اپنے پیرو کاروں کو اس کی ترغیب دی ، اور ایک ایسے نظام کے بنیادی اصول بیان کر دیئے جس میں انسان کو حصول علم پر پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کاربند رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مزید برآں ہر جگہ سے اور ہر جائز طریقے سے علم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور پھر علم کے حصول کو خیر و برکت کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس وقت نظام تعلیم کے جملہ پہلوؤں پر جو پوری زندگی پر محیط ہے اس مختصر سے مقالے میں انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہم اس کے صرف دو پہلوؤں پرگفتگو کریں گے۔ اور وہ دو پہلو ہیں۔ مقصد و منہاج ـــ ہم پہلے منہاج کو زیر بحث لاکر اس کے متعلقہ مقصد پر روشنی ڈالیں گے۔

منہاج

نہج ، منہج یا منہاج اس طریق کار کا نام ہے جس کے تحت تعلیم دی جاتی ہے اس مفہوم کو انگریزی کا لفظ (METHOD) زیادہ واضح کر دیتا ہے جب کبھی ہم منہج کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس وقت تعلیمی اصطلاحات میں اس سے یہ چیزیں عموماً مراد ہوتی ہیں۔

(الف) وہ مواد جس کی تعلیم دینا مقصود ہو۔

(ب) کس زبان میں تعلیم دی جائے۔

(ج) تعلیم دینے کا طریق کار کیا ہونا چاہیئے ؟

(د) تعلیم دینے والے۔ معلمین کیسے اور کن شرائط کے حامل ہوں ؟

(ہ) تعلیم حاصل کرنے والے۔ طلبہ کن صفات سے متصف ہوں۔

ان امور پنجگانہ پر بحث کرنے سے پہلے ہم ایک نکتہ کی وضاحت نہایت ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ جب ہم ”اسلامی نظام تعلیم“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ہماری مراد کیا ہوتی ہے ؟ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے ایک نامور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان ماہر تعلیم جناب احمد عبد الغفور عطار لکھتے ہیں ۔
"التربیة عند المسلمین لم یکن دینیا محضاً کما کان عند الاسرائیلیین فی الصدر الاول من تاریخهم ۔ ولاکان دنیویا محضاً کما کان عند الرومان مثلاً وانما کان دینیا و دنیویا معاً" (۱۰) (مسلمانوں کے ہاں تعلیم صرف دینی ہی نہیں ہوتی جیسا کہ یہودیوں میں ان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں تھا ۔ اور ان کے ہاں تعلیم نہ صرف دنیوی ہوتی ہے جیسا کہ اہل روم میں ہوتا تھا ۔ ان کے ہاں دینی اور دنیوی امور کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی ہے ۔) روحانیت و مادیت اور دین و دنیا کی اس حسین امتزاج کو قرآن حکیم نے خوبصورت انداز میں سمجھایا ہے ۔ وابتغ فیما آتاک اللہ الدار الآخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک (۱۱) (اللہ تعالیٰ نے آخرت کیلئے جو کچھ عطا کیا ہے ، اس کو تلاش کرو اور دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کرو اسی طرح اچھا برتاؤ کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ روا رکھا ۔) یعنی دنیا و آخرت کو آپس میں ملا کر اور اکٹھا کر کے چلو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے ملا دیا ہے ۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نظریے کی یوں وضاحت و توثیق فرمائی ۔ لیس خیرکم من ترک الدنیا للآخرة ولا الآخرة للدنیا ، ولکن خیر من اخذ هذه و هذه (۱۲) (تم میں سے وہ بہتر نہیں جس نے دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دیا یا آخرت کو دنیا کے لئے بھلا دیا بلکہ بہتر وہ ہے جس نے دونوں کو ساتھ ساتھ اپنایا ۔) اسلامی نظام تعلیم کو جو دنیا اور آخرت دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے کیا اسے کسی ایک شعبہ میں محدود کیا جا سکتا ہے ؟ ایسا کرنا ہمارے بس میں ناممکن ہے اس لئے جب ہم اسلامی نظام تعلیم کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اس وقت ہماری مراد ایسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام ہرگز نہیں ہوتی جس میں دینیات یا اسلامیات ایک جزو کے طور پر موجود ہو ۔ بلکہ ایسا نظام ہم مراد لیتے ہیں جو اسلامی طرز زندگی کا حصہ ہو ۔ جو زندگی کے تمام شعبوں کو اسلامی طرز پر ڈھالنے میں ہماری معاونت کرے اور جس میں انسان و کائنات کے بارے میں اسلامی تصور ، مادی علوم ، حیاتیاتی علوم ، نفسیاتی علوم ، عقلی علوم ، سماجی علوم ، طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی علوم غرضیکہ جملہ علوم جن کا تعلق انسان کی دنیا اور آخرت کی زندگی سے ہے سب کے سب اس میں شامل ہوں اس تصریح سے یہ بات بھی پوری طرح عیاں ہو گئی کہ اسلامی تعلیم کا مقصد فعال اور زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی انسان پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ اس نکتہ کی وضاحت کے بعد اب ہمیں مذکورہ بالا اجزائے منہاج کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی ۔

منہاج میں جن امور کو شامل سمجھا جاتا ہے ان میں پہلی بات یہ زیر بحث آتی ہے کہ آپ جو مواد (MATERIAL) پڑھانا چاہتے ہیں وہ کس قسم کا ہونا چاہیئے ؟ مواد تعلیم کا تعین کرتے وقت ہمیں ہر قوم اور خطے کے مخصوص نظریات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے ۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کے اپنے مخصوص نظریات نہ ہوں ۔ وہ اپنا تشخص قائم نہیں رکھ سکتی اور جب تک مخصوص نظریات کی ترویج و تبلیغ نہ کی جائے وہ نہ تو قائم رہ سکتے ہیں اور نہ ہی آئندہ نسلوں تک پھیل سکتے ہیں ۔ اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ مواد تعلیم نظریات کے تابع اور نظریات کا حامل ہو ۔ اس کلیے کو پیش نظر رکھ کر جب ہم مسلمانوں کیلئے مواد تعلیم تجویز کرتے ہیں تو ہم اس میں قرآن ، حدیث ، فقہ ، کلام ، تاریخ ، تہذیب و ثقافت ، تاریخ علوم ، عقلیات ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طب و حکمت کے علوم کے ساتھ جملہ سائنسی علوم حیاتیات ، طبیعیات ، نباتیات ، نفسیات ، بشریات ، جراحی ، فلکیات جوہری اور فضائی علوم۔ غرض جملہ علوم کو جو انسان کی بہبود کے لئے ہیں اس کو نقصان سے بچاتے ہیں ، ان سب کو مواد تعلیم کا جزو قرار دیکر داخل نصاب کریں گے ۔ کیونکہ ایسا کرکے ہی ہم اسلامی نظام تعلیم کی روح کو حاصل کر سکتے ہیں ۔ اور اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو ہم افراط و تفریط کا شکار ہو کر جادۂ مستقیم سے دور چلے جائیں گے ۔

منہج تعلیم (CURRICULUM) کا دوسرابڑامسئلہ یہ ہوتا ہے کہ جو مواد آپ پڑھانا چاہتے ہیں اسے کس زبان میں پڑھایا جائے ؟ ہمیں جاننا چاہیئے کہ زبان (LANGUAGE) کیا چیز ہوتی ہے ۔ زبان حقیقت میں وہ چند اشارے ہوتے ہیں جو انسانوں نے باہم متعین کر لئے ہیں کہ اس اشارے سے ہم یہ چیز مراد لیتے ہیں ۔ زبان اس لئے معرض وجود میں آتی ہے کہ انسان باہم دگر ایک دوسرے کو اپنا مفہوم و مدعا سمجھا سکیں جب زبان بنائی ہی اس لئے گئی ہے کہ ایک دوسرے کے مدعا کو سمجھا اور سمجھایا جا سکے تو پھر تعلیم جس کا معنی ہی ایک دوسرے کو سمجھانا اور نئے حقائق سے روشناس کرانا ہے جو صرف مادری زبان میں ممکن ہے ۔

اگر کسی کو عربی زبان میں بات آسانی سے سمجھ آتی ہے تو اسے عربی زبان میں سمجھائی جائے اور اگر کوئی انگریزی ، فرانسیسی ، جرمنی ، ترکی ، لاطینی ، ھندی سنسکرت ، عبرانی یا اردو نیز پنجابی زبان میں زیادہ سہولت پاتا ہے تو اسے انہیں زبانوں میں سے کسی ایک میں تعلیم دی جائے اور اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کسی مخصوص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان کے ذریعے ھی تعلیم حاصل کرے ۔ کیونکہ اصل مقصد بات پہنچانا اور سمجھانا ہے اسی حکمت کو قرآن میں بھی پیش نظر رکھا گیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ,, وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (۲۱) (ہم نے ہر رسول کو اس قوم کی زبان دے کر بھیجا) اگر آپ کے سامنے اس زبان میں گفتگو کی جائے جس میں سے آپ نابلد ہوں تو یہ مفید بات نہیں ہوگی ۔ کیونکہ پروردگار عالم نے فرمایا ۔ وقولوا للناس حسنا (۲۲) (لوگوں سے عام فہم طریقے سے گفتگو کرو) ۔ اس لئے اسلامی نظام میں ذریعہ تدریس ہر وہ زبان ہوتی ہے جو معلم اور متعلم آسانی سے سمجھ اور سمجھا سکیں ۔ اور عربی زبان کی اپنی ایک حیثیت اور فارسی زبان کا اپنا ایک ثقافتی مقام ہے ۔ لیکن ضروری نہیں ہم انہیں زبانوں میں تعلیم دیں اور اسی طرح انگریزی کو پاکستان میں ذریعہ تعلیم بنانے کا بھی کوئی جواز نہیں جبکہ ہم سب انگریزی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ اسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے جسے ہم سمجھ اور سمجھا سکیں ۔ تاکہ تعلیم کا مقصد حاصل ہو ۔

اس عنوان کا تیسرا نکتہ جس پر ہم بات کرنا چاھتے ھیں وہ یہ ہے کہ تعلیم دینے کا طریق کار کیا ہونا چاہئیے ؟ یہ اپنی جگہ بہت اہم سوال ہے ۔ تاہم ھمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر غور کرنا چاہئیے ۔ تو ھمیں معلوم ہوگا کہ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ ضرورت کے مطابق احکام صادر فرماتے تھے ، احکام نہایت واضح ہوتے ۔ جملے چھوٹے چھوٹے اور نہایت فصیح ہوتے ۔ غیر واضح باتوں کو امثلہ اور نظائر کے ذریعے سے سمجھاتے اور جب بھی کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو اس موضوع کی مناسبت سے اصطلاحات اور محاورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال میں لاتے ۔ اس لئے ہمیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم جدید دریافتوں سے استفادہ نہ کریں ۔ بلکہ ہمارے لئے ,, اصل الاشیاء اباحۃ ،، (حقیقت میں چیزیں استعمال کے لئے جائز ہیں) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ضروری ہے کہ جملہ جدید ترین طریقے اپنائیں ۔ تختہ سیاہ کا استعمال کریں نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے امور کو واضح کریں اور ریڈیو ، ٹیلیویژن اور دیگر ذرائع ابلاغ کو بھی ذریعہ تدریس کے طور پر استعمال کریں ۔ اسی طرح نفسیات کے نکتہ نظر سے ماہرین نے جو اصول اور قواعد وضع کئے ہیں ان کو بھی پیش نظر رکھا جائے ۔

معلمین کو کن اصولوں پر کاربند ہونا چاہیئے ۔ نہج کے تعلق سے یہ ایک اہم بحث ہے ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ (۴۵۰ ۔ ۵۰۵ ھ) نے اس موضوع کو نہایت مفید اور مفصل طریقے سے بیان کیا ہے ۔ ہم اس کا ملخص پیش کرتے ہیں ۔ انہوں نے معلم کے لئے آٹھ فرائض کا ذکر کیا ہے ۔ اور ان کی تشریح کرتے ہوئے ان کے فوائد پر یوں روشنی ڈالی ہے ۔

۱۔ پہلا اصول یہ ہے کہ شاگردوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا جائے اور انہیں اپنی حقیقی اولاد کے مساوی سمجھا جائے اور جس طرح ایک شخص کی اولاد عموماً محبت اور پیار سے رہتی ہے ۔ اسی طرح شاگردوں کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی آپس میں محبت و مؤدت سے رہیں ۔

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ تدریس کے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے ۔ استاد صرف خدا اور اس کے قرب کے حصول کے لئے تعلیم دے ۔ شاگردوں پر احسان نہ جتائے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ شاگرد کو نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے شاگردوں کو بری عادتوں سے پیار و محبت سے منع کرے اور زجر و توبیخ کا طریقہ نہ اپنائے۔ کیونکہ یہ باہمی حجاب کو دور کرتی ہے اور خلاف ورزی پر اکساتی ہے۔

۵۔ استاذ پر لازم ہے کہ وہ جس علم کی تدریس کرتا ہے اس کا تفوق بیان کرتے وقت دیگر علوم کے اہانت آمیز پہلوؤں کو نہ ابھارے جیسے کہ لسانیات کی تعلیم دینے والے عموماً فقہ، منطق اور اسی طرح کے دیگر مروجہ علوم پر منفی تنقید کرتے ہیں۔

۶۔ شاگرد کو تعلیم دیتے وقت شاگرد کی ذہنی صلاحیتوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور اپنی قابلیت یا شخصیت کے اظہار کے لئے ایسا طریقہ ہرگز نہ اپنایا جائے کہ متعلم کے کچھ پلے ہی نہ پڑے۔

۷۔ غبی اور کمزور ذہن طلبہ پر اس امر کا اظہار نہیں ہونا چاہیئے کہ ان کی کند ذہنی کی وجہ سے انہیں بہت سے نکات نہیں بتائے جا رہے ہیں بلکہ اسے یہی معلوم ہو کہ استاذ اسے علوم کا پورا خزانہ عطا کر رہا ہے۔

۸ استاذ جس علم کی تعلیم دیتا ہے اس پر خود بھی عمل پیرا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ قول و فعل میں تضاد ہو۔[۲۳]

یہ وہ زرین اصول ہیں جن کی وضاحت امام غزالیؒ رحمۃ اللہ نے فرمائی ہے۔ جو آج سے تقریباً ہزار سال پہلے مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن وہ آج بھی اسی طرح مفید اور قابل عمل ہیں۔ جیسے وہ اپنے زمانے میں تھے۔ اس عنوان پر ہم اگرچہ مزید کوئی اضافہ نہیں کرتے تاہم شیخ طوسی (۵٦۷۔۲۷٦) کا ایک قول نقل کرتے ہیں۔ ینبغی لطالب العلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان یخنا من کل علم احسنہ وما یحتاج الیہ فی امور دینہ فی الحال ثم ما یحتاج الیہ فی المآل (۲۴) (طالب علم کو چاہیئے کہ وہ ہر ایسا علم سیکھے جس کا وہ دینی معاملات میں موجودہ وقت میں ضرورت مند ہو اور آخرت میں وہ اس کا محتاج ہو) ۔

اس عنوان کا آخری پہلو یہی ہے کہ طلبہ کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے ؟ اگرچہ یہ سوال ہمیشہ سے ماہرین تعلیم کی فکر کا موضوع رہا ہے اور اس پر بہت زیادہ لکھا گیا ہے لیکن ہم اس وقت اس پہلو پر بھی امام غزالی کے ان افکار کی تلخیص پیش کریں گے جو انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف احیاء علوم الدین میں پوری تفصیل سے بیان فرمائے ہیں ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۔

"اما المتعلم فآدابہ و وظائفہ الظاہرہ کثیرۃ ولکن تنظم تفاریعھا فی عشرہ جمل (یہاں تک طالب علم کا تعلق ہے اس کے آداب اور ظاہری فرائض بہت زیادہ ہیں لیکن ان سب کو دس جملوں میں بیان کیا جاتا ہے)

اس کے بعد انہوں نے ان صفات کا یوں احاطہ کیا ہے ۔

۱۔ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے بلند ہو کر طہارت قلب کی جانب پیش قدمی کرے دل کیونکہ دل کی پاکیزگی ہی اللہ تعالی سے قرب کا ذریعہ بنتی ہے ۔

۲۔ دنیوی مشاغل سے اپنے کو دور رکھے ۔ اپنے اہل و عیال اور وطن سے دور رہے کیونکہ کہا جاتا ہے العلم یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک ۔ (علم اپنا کچھ حصہ اسے دیتا ہے جو اپنا سب کچھ اس کے لئے وقف کر دے) ۔

۳۔ نہ علم پر غرور اور نہ استاد پر حکومت کرے استاد کا تابع فرمان رہے اس کی نصیحت پر پوری طرح سے عمل کرے ۔ استاد سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکساری سے پیش آئے اور اس کی خدمت کرنا ثواب سمجھے ۔

۴۔ ابتدائی دور تعلیم میں لوگوں کے اختلافات سننے سے پرہیز کرے ۔ کیونکہ اختلافات کے سننے سے مبتدی کی عقل متحیر ، ذہن پریشان اور رائے سست ہو جاتی ہے اور وہ فہم و ادراک مایوس ہوتا ہے۔ مبتدی طالب علم پر لازم ہے کہ وہ ابتداء میں استاد کے عقیدے اور رائے پر اعتماد کرے اور بعد میں جب بالغ ذہن اور وسیع النظر ہو جائے تو پھر مذہب کے فلسفہ اور اختلافی مسائل پر غور کرے ۔

۵۔ طالب علم مفید علوم میں سے کوئی علم اور اس کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے حصول سے اپنے کو محروم نہ رکھے ۔ اور بنظر غائر ان کا مطالعہ کرے تا آنکہ اس کے مقصود بالذات اور علت غائی سے بخوبی آگاہ ہو جائے اور پھر یہیں بس نہ کرے بلکہ دیگر علوم میں سے تھوڑا تھوڑا حاصل کرے ۔ کیونکہ علوم آپس میں مربوط و منظم ہوتے ہیں ۔

۶۔ فنون میں سے کسی ایک دفعہ کو اختیار نہ کرے بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے اہم فن سے آغاز کرے ۔

۷۔ اگلا اصول یہ ہے کہ کسی فن میں اس وقت تک قدم نہ رکھے جب تک کہ اس سے پہلے والے فن کو مکمل نہ کر لے ۔

۸۔ علوم کا شرف نتیجہ اور دلیل کی پختگی سے حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ دین کا علم اشرف ہے۔ اس لئے اس سے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے ۔ اور اس کے حصول میں جہد تام صرف کرنی چاہیئے ۔

۹۔ مقصود اصلی سے علم کا تعلق معلوم کرنا ہو گا ۔ تاکہ جو علم مقصد سے زیادہ قریب ہو اسے بعید پر ترجیح دی جائے اور ضروری علم کو اختیار اور غیر ضروری علم کو ترک کیا جا سکے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ تحصیل علم سے طالب علم کی غرض اپنے باطن کو آراستہ کرنا اور فضائل سے مزین کرنا ہو تاکہ اس سے اللّٰہ تعالی کا قرب حاصل کیا جا سکے ۔

یہ ہیں وہ زندہ و جاوید اصول جنہیں اپنا کر طلباء علم کی دولت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں ان امور کی روشنی میں ہم سب کیلئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اور ہمارے طلبہ کس حد تک ان زریں اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں ۔ اور تو اور مذہبی تعلیم پانے والے طلبہ اب جس بے راہ روی ، خدا ناشناسی اور فیشن پرستی کا شکار ہو رہے ہیں وہ سوھان روح ہے۔ اس لئے انہیں لازماً اپنی میراث پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ۔

عزیز قارئین اب تک ہم نے تعلیم کی ضرورت و اہمیت ، اسلامی تعلیم کا صحیح اور وسیع مفہوم اسکا منہاج نیز اس کے جملہ مسائل پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالی ہے اور اب ہم اس مقالے کے آخری موضوع پر نظر ڈالیں گے اور وہ آخری موضوع ہے۔

مقصد تعلیم :

یہ موضوع جس قدر سادہ سا معلوم ہوتا ہے اسی قدر زیادہ پیچیدہ اور اہم ہے اور اس کس اہمیت اس سے عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر انسان کے سامنے مقصد متعین نہ ہو تو وہ اس شتر بے مہار کی طرح ہوتا ہے جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو ۔ اسی طرح اگر مقصد کا تعین کئے بغیر آپ کسی علم کو حاصل کرنا شروع کر دیں گے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہوگی کہ منزل کے تعین کے بغیر سفر اختیار کر لیا جائے اور جدھر سینگ سمائیں روانہ ہو جائیں ۔ یوں کرتے وقت آپ یقیناً کسی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکیں گے ۔ مقصد (OBJECT) کو جو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہو سکتا ہے کہ ہر دور میں تعلیم کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور متعین کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مقصد زندگی کے مقصد سے ہم آہنگ رہا ہے یا نہیں۔ وہ مقصد اپنے میں مقصد بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں، بہرحال ہر دور میں مقصد کا تعین ضرور کیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

انسانیت کی معلوم تاریخ میں تعلیم کا منظم طریقہ سب سے پہلے یونانیوں کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ یونانی فلسفیوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے تعلیم کے موضوع پر سنجیدگی سے غور و خوض کیا اور تعلیم کا یہ مقصد متعین کیا۔

The aim of education they set was , to prepare the children to take part in politics in adult life (۲۶)

انہوں نے تعلیم کا جو مقصد متعین کیا وہ یہ تھا کہ بچوں کو اس طرح سے تیار کیا جائے کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ کر سیاست میں حصہ لیں۔

یونانیوں کے ہاں مقصد تعلیم یہ ہے کہ نئی نسل کو اس طرح سے تیار کیا جائے کہ وہ اپنی بلوغت کی عمر میں سیاست میں اپنا بھر پور کردار ادا کر سکے۔ گویا ان کے ہاں مقصد حیات صرف سیاست کا فروغ تھا۔ چونکہ تعلیم کا مقصد حقیقی زیست کے مقصد کے تابع ہوتا ہے اس لئے وہ تعلیم کا مقصد بھی سیاسی مقرر کرتے تھے۔ ان کے ہاں زندگی کی دیگر حقیقتیں ناپید دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے بعد رومیوں کا چرچا ہوتا ہے تو یہ زیادہ اچھے سیاست دان پیدا کرنے کی فکر میں دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حکومت، سیاست اور قانونی افکار میں نمایاں اضافہ کیا۔ چنانچہ

They considered that the sole aim of education was to produce statesmen and oraters (۲۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے یہ سوچا کہ تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اچھے حکمران اور سیاست دان پیدا کئے جائیں ۔ اور ان کے ہاں سیاست کے ساتھ خطابت کا بھی شہرہ رہا ۔ اور انہوں نے خطابت کے ذریعے سے سیاست کو چمکانے اور سدھارنے کی کوشش کی ۔ ظاہر ہے کہ سیاست بذات خود یا بذریعہ خطابت اس کا فروغ حقیقی زندگی کے مقاصد سے کوئی لگاؤ نہیں کھاتا ۔ اس لئے وہ زیست کے حقائق سے دور ہی دکھائی دیتے ہیں ۔

ان کے بعد جب یورپ میں عیسائیوں کے دور کا آغاز ہوا ۔ تو اس وقت مدرسے اور ادارے باقاعدہ اور منظم شکل میں معرض وجود میں آ چکے تھے ۔ اسلئے انہیں مقاصد تعلیم متعین کرنے میں زیادہ دشواریاں پیش نہیں آئیں ۔ اور انہوں نے مسائل مذہب کی روشنی میں مقصد تعلیم کو اس طرح سے بیان کیا ۔

The institutions aimed moral reformation and regeneration of society through christian Faith (۲۸)

تعلیمی اداروں کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کی اخلاقی تعمیر نو کلیسا کے عقائد کے ذریعے کی جائے ۔

اب زندگی میں مذہب کا وجود داخل ہو گیا ۔ لیکن عیسائیت مذّہب کے ذریعے سے روحانیت کی تسکین کی بجائے محض معاشرے کی تشکیل نو چاھتی ہے اس مقام پر پہنچے ہوئے ہمارے لئے یہ سہل ہو گیا ہے کہ اب ہم اسلام کے پیش کردہ مقصد تعلیم کی طرف اپنا رخ موڑ سکیں کیونکہ عیسائیت کے زوال کے بعد اسلام اس دنیا میں طلوع ہوا ۔ جس کی ضیاء پاشیوں سے انسانیت منور ہو گئی ۔ ۔

اسلام چونکہ ایک ضابطہ حیات ہے ۔ جو زندگی کے ہر پہلو پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محیط ہے۔ جو روحانیت اور مادیت کو دوش بدوش لے کر چلتا ہے۔ اس لئے اسلام نے مقصد زیست کی اتباع میں جو مقصد تعلیم بیان کیا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ جامع ہے۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قابل عمل اور مفید ہے۔ اب ہم ذیل میں ان مقاصد کا مختصراً جائزہ پیش کرتے ہیں۔ جو مسلمان مفکرین نے وقتاً فوقتاً پیش کئے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم وہ مقصد بیان کریں گے جسے ہم اسلامی تعلیم کا مقصد اول قرار دیتے ہیں۔

۱۔ شیخ نصیرالدین طوسی (۵۹۷۔۶۷۲ ھ) نے تعلیم کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "العلم المحتاج الیه فی الحال الموصل الی النفع فی المآل (انسان کو تعلیم کی احتیاج اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے وہ حصول مقصد کے نفع کو پہنچتا ہے۔

۲۔ ایک اور مقصد تعلیم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "وقد هدف المسلمون الی جانب الدین والاخلاق الی معان اجتماعیه(۲۸)"

مسلمانوں کے ہاں ایک مقصد تعلیم یہ بھی رہا ہے کہ وہ علم حاصل کرکے سماج میں بلند مرتبہ حاصل کریں۔ اگرچہ علماء کو علم کی وجہ سے معاشرے اور حکومت میں ایک خاص مقام حاصل رہا۔ لیکن یہ مقصد ایک وقتی اور ادنیٰ مقصد کی حدود میں آتا ہے۔

۳۔ تعلیم کا بنیادی مقصد یہ بھی قرار دیا جاتا تھا کہ "المعرفة والوصول الی الحق (۲۹) (اشیاء کی پہچان جس کے ذریعے سے حقیقت تک پہنچا جا ئے)۔ یہ معلوم کیا جائے کہ حق کیا ہے ؟ اور اس تک رسائی کیسے ممکن ہے ؟ یہ مقصد بھی اسلامی نقطہ نظر سے کافی بلند ہے۔ تاہم اس میں گفتگو کی گنجائش باقی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ بعض حلقوں میں حصول علم کا مقصد دنیوی منفعت حاصل کرنا اور روزی کمانا بھی قرار پاتا رہا ۔ جو ہماری رائے میں نہایت ھی گھٹیا مقصد ہے۔ کیونکہ روزی کمانے کے اور بھی بہت سے ذرائع ھیں ۔ اور پھر ,, وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا ،،(۳۰) (ھر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے) کے مصداق ھمیں روزی کے لئے زیادہ فکر مند نہیں ھونا چاھیئے ۔

۵۔ بعض مخصوص حلقوں میں علم کے حصول کا محض مقصد یہ رہا کہ طالب علم اپنے مخصوص مسلک یا خاص عقیدے کی تائید کرنے اور دیگر عقائد کی تردید کرنے کے دلائل سیکھے ۔ اور اپنے علم کو اسی دائرہ میں محدود رکھے ۔ ظاھر ہے کہ یہ مقصد بہت ھی سطحی ، محدود اور انسانی صلاحیتوں کو مفلوج کر دینے کے مترادف ہے۔ تاھم اگر اس مقصد کو وسعت دے کر تقابل ادیان کا موضوع بنا لیا جائے تاکہ اسلام کی حقانیت ثابت کی جا سکے تو قدرے مفید ھو سکتا ہے۔

٦۔ ایک ماھر تعلیم جناب ابراھیم نبھانی نے مسلمانوں کا مقصد تعلیم یوں بیان کیا ہے ,, الھدف الاول لتعلیم الاسلامی کان عملیا ۔ لقد عمل العرب علی تنمیة الفنون والحروف"(۳۱) (تعلیم اسلامی کا بنیادی مقصد عمل کو فروغ دینا ہے کیونکہ عمل کے ذریعے سے ھی عربوں نے حروف اور فنون کو ترویج دی) ۔ اس میں کوئی شک نہیں مسلمانوں نے علم کی ترقی کیلئے بے پناہ خدمات سر انجام دی ھیں ۔ اور وہ علم کا علم بلند کرنے میں کامیاب بھی ھوئے ھیں ۔ لیکن مسلمانوں کے مقاصد اس سے بلند تر ھونے چاھئیں ۔

۷۔ ھمارے زمانے کے ایک پاکستانی ماھر تعلیم سعید احمد رفیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی تعلیم کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد انسانی پیدائش کے منشاء کو پورا کرنا ، اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا ہے ۔ (۳۲) یہ مقصد کافی اچھا ہے اور اسلامی روح کے بہت قریب دکھائی دیتا ہے لیکن اس سے بھی اعلیٰ اور ارفع مقصد وہ ہے جس کی نشان دہی آئندہ سطور میں کی جا رہی ہے ۔

۸ ۔ اسلامی تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ہمیں اس امر پر غور کرنا ہو گا ۔ کہ اسلامی زندگی گزارنے یا اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ اگر ہم اس مقصد کو متعین کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر مقصد تعلیم کے تعین میں کوئی مرحلہ باقی نہیں رہ جائیگا چنانچہ مختصر الفاظ میں اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ رضائے الٰہی حاصل کر لیں ۔ کیونکہ یہ ایسا نسخہ ہے جسے حاصل کرکے ہم اپنا دین اور دنیا دونوں سنوار سکتے ہیں ۔ اور رضائے الٰہی کے حصول کو ہی تخلقوا باخلاق اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا جائے ۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ دیگر تمام مقاصد سے ہٹ کر اسلامی تعلیم کا مقصد ، اسلام کو سمجھنا ، دوسروں کو سمجھانا قرار دیں تاکہ اعلائے کلمۃ اللہ کا منشاء پورا ہو سکے اور مسلمان رضائے الٰہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں ۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ، ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (۳۳) (جسے حکمت (علم) دیا گیا اسے بہت بڑی خیر سے نوازا گیا) ۔

گویا علم کا آنا ہی خیر کثیر ہے اور مسلمان کے لئے رضائے الٰہی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصول سے بڑھ کر اور کوئی چیز خیر کثیر نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے رضائے الٰہی کا حصول ہی مسلمانوں کا مقصد تعلیم ہو سکتا ہے اس کی تائید نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ ،، من تعلم علماً لغیر اللہ او اراد به غیر وجه اللہ ، فلیتبوا مقعده من النار (٣٤) (جس نے علم غیر اللہ کیلئے سیکھا یا اس سے غیر اللہ کی خوشنودی چاہی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا ۔) ۔ یعنی جو شخص رضائے الٰہی کے حصول کے علاوہ کسی اور غرض کے تحت علم حاصل کرے گا اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا ۔ پھر ایک اور مقام پر حضور علیہ السلام نے رضائے الٰہی کے علاوہ دیگر اغراض کی نشان دہی اس طرح فرمائی ۔

من طلب العلم لیماری به السفهاء (٣٥) او یکاثر به العلماء ، او یصرف به وجوه الناس الیه ادخله اللہ النار ۔ (جس نے علم اس مقصد کے لئے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے سے کم علم لوگوں پر رعب ڈالے یا علماء پر اپنا سکہ بٹھا دے ۔ یا علم کے ذریعے سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے تو اللہ تعالی ایسے شخص کو جہنم میں داخل کرے گا ۔

اس حدیث سے عیاں ہوا کہ کم علم والوں پر علم کا رعب ڈالنا ، علماء میں اپنے علم کی بڑھائی بیان کرنا اور علم کا اظہار اس طرح کرنا کہ لوگ اس کی جانب متوجہ ہو جائیں یہ سب اغراض غیر اسلامی اور قابل گرفت ہیں ۔

ایک اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے اس علم کو جس سے اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لئے حاصل کیا کہ وہ اس سے اپنی کوئی غرض حاصل کرے تو قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا (٣٦) ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اور اس طرح کے بہت سے ارشادات ہیں۔ جن کی روشنی میں یہ امر عیاں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقصد تعلیم محض اور محض اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کو قرار دیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مقصد حاصل کیسے کیا جا سکتا ہے ؟ تو اس سوال کا جواب اخوان الصفا کے الفاظ میں یہ ہے کہ طالب علم علم حاصل کرتے وقت ان سات باتوں پر عمل کرے۔

السؤال ، لاستمتاع بعد الصمت التفکیر ، العمل بہ ، طلب الصدق فی نفسہ . ترک الاعجاب بما یحسنہ کثرۃ الذکر انہ من نعمۃ اللہ (٣٧)

(جو چیز معلوم نہ ہو اس کے پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے۔ خاموشی سے توجہ سے سنے۔ غور و خوض جاری رکھے۔ علم کے مطابق عمل کرے ہمیشہ حقیقت کا متلاشی رہے۔ جو اسے پسند آئے اس پر تعجب نہ کرے اللہ تعالی کا ذکر کثرت سے کرے کیونکہ یہ اس کی نعمتوں میں سے ہے)۔

ہم اس کے ساتھ ایک اور چیز کا اضافہ کرتے ہیں کہ طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے طالب علمی کے دور میں گناہوں سے بچتا رہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ایک طرف تو اسکا قلب صاف رہے گا اور دل پر علم کا مضبوط نقش جم جائے گا۔ دوسری طرف رضائے الٰہی کے حصول میں مدد ملے گی اور تیسرے یہ کہ وہ علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ کیونکہ :

فان علم اللہ نور

والنور لا یعطی للمعاصی

کہ اللہ تعالی کی معرفت کا حصول ایک ایسا نور ہے جو گنہگاروں کو نصیب نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مــلاحـظات

١) لسان العــرب (منظور افريقى) ج ٢ ،ص ٣١٧

٢) فقه اللغة (على عبدالواحد وافى) ص ١٣ ـ

٣) مقدمه ابن خلدون (طبع مصر) ص ٥٣٣ ـ

٤) سورة البقرة ٣١ ـ

٥) التعليم فى خدمة اسـلام (محمد ابراهيم نبهان) ص ١٨ ـ

٦) سورة العلق ، ١ـ٥

٧) سورة النساء ـ ١٣

٨) سورة الانبياء ـ ٧

٩) مشكوة المصابيح (طبع دمشق) ج ٢ ،ص ٥٧

١٠) بحواله احياء علوم الدين ج ١ ـ ص ١١ـ ١٢

١١) سورة طـه ، ١١٣

١٢) سورة يوسف ، ٧٦

١٣) سورة المجادله ١١

١٤) بحواله تذكره السامع والمتكلم (طبع بيروت ١٩٦٧) ص ١٧٠

١٥) بحواله تذكره السامع والمتكلم (طبع بيروت) ص ١٦٩

١٦) العنكبـوت ٤٣

١٧) مشكوة المصابيح (طبع دمشق) ج ٢ ، ص ٧٠

١٨) انسانية الاسـلام (احمد عبدالغفور عطار) ص ٢٩

١٩) سورة القصص ٧٧

٢٠) الصحيح البخارى كتاب الصوم

٢١) سورة ابراهيم ٢

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲) سورة البقره ۸۳

۲۳) احیاء علوم الدین (طبع مصر ۱۹۳۹)ج ۱ ـ ص ٦۱ ـ٦۴

۲۴) آداب المتعلمین (نصیر الدین طوسی) ص ۱۳۵

۲۵) احیاء علوم الدین (امام غزالی) ج ۱ ص ۵۵ ـ٦۱

۲٦) یه عبارت دائره معارف علوم اجتماعیه ج ۵ ص ۳۰۹ ـ ۳۱۴ سے اخذ
کی گئی هیں ـ

۲۷) آداب المتعلمین (طبع بیروت ۱۹٦۷) ص ۱۳۳

۲۸) العلم فی خدمة اسلام ص ۲۴

۲۹) احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۵۵

۳۰) سورة هود ٦

۳۱) التعلیم فی خدمة اسلام ص ۱۳۰

۳۲) مسلمانوں کا نظام تعلیم (طبع ثانی) ص ۵۱ ـ۵۲

۳۳) سورة البقرة ۲٦۹

۳۴) ابن ماجه مقدمه

۳۵) مشکوة المصابیح ج ۲ ص ۷۷

۳٦) مشکوة المصابیح ج ۲ ص ۷۷

۳۷) اخوان الصفا (طبع بیروت ۱۹٦۷) ص ۵٦

****

© rasailojaraid.com